ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.1 (2026)
(January to March)

ناصر کاظمی کی غزلوں میں ناسٹلجیا کے فکری عناصر

A Research Study on the Intellectual Elements of Nostalgia in Nasir Kazmi's Ghazels

حاجی محمد
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، ملتان
پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل پتافی
شعبہ اُردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، ملتان

Haji Muhammad
Ph.D Scholar Urdu, NCBA&E, Sub Campus Mutan
Prof. Dr. Muhammad Shakeel Patafi
Department of Urdu, NCBA&E, Sub Campus Multan

Article Details
Received:
February 20, 2026
Accepted:
March 03, 2026
Online Published:
March 16, 2026

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: This dissertation explores the centrality of nostalgia in the poetry of Nasir Kazmi, with particular emphasis on his ghazals. Nostalgia, once narrowly defined as homesickness, emerges in Kazmi's work as a profound literary and psychological construct. His poetry reflects memories of migration, longing for homeland, childhood innocence, failed love, and the companionship of friends, all transformed into artistic expression. Kazmi's verses juxtapose the simplicity of the past with the complexities of the present, creating a poetic space where personal grief resonates universally. His nostalgic imagery rural landscapes, youthful experiences, and lost relationships serves both as recollection and as a means of coping with displacement and alienation. Through this lens, Nasir Kazmi's ghazals demonstrate how nostalgia functions simultaneously as an individual emotional state and a collective cultural memory, preserving identity while offering solace in uncertain times.

Key words: dissertation, nostalgia, psychological construct, Kazmi's verses, complexities, simultaneously, cultural memory

"ناسٹلجیا" یونانی زبان سے ماخوذ اصطلاح ہے جو دو اجزاء پر مشتمل ہے: 'نوسٹوس' اور 'الگوس'۔ 'نوسٹوس' کا مطلب ہے وطن یا گھر لوٹنے کی خواہش، جب کہ 'الگوس' کا مفہوم ہے کرب یا اذیت۔ اس طرح ناسٹلجیا کو ہم ایک ایسی کیفیت کہہ سکتے ہیں جس میں انسان کو اپنے ماضی یا وطن کی یاد ایک دردناک واپسی کی صورت میں محسوس ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر ناسٹیلجیا ماضی کی خوشگوار یادوں کا استعارہ ہے۔ آکسفورڈ انگلش اردو ڈکشنری میں ناسٹلجیا سے مراد ہے:

"ماضی کی حسرت ناک یادیں، ماضی کی یاد دلانے والی شے یا اشیاء، گھر کی یاد، گھر سے دوری کا شدید احساس"(۱)

پریکٹیکل ڈکشنری میں ناسٹلجیا کے معنی ہیں:

"گھر سے دوری، گھر کا ہڑکا، وطن کی یاد۔"(۲)

ناسٹلجیا ایک ذہنی کیفیت ہے جو انسان کو ماضی کے گہرے احساسات اور یادوں سے وابستہ کرتی ہے۔ ابتدا میں اسے اُن سپاہیوں کی حالت سے جوڑا گیا جو وطن سے دور رہنے کے باعث اداسی اور دل شکستگی میں مبتلا ہو جاتے تھے، اس لیے اسے بیماری سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج کے دور میں ناسٹلجیا کو بیماری نہیں بلکہ خوشگوار یادوں اور بیتے لمحوں کی یاد کا استعارہ مانا جاتا ہے۔ قاضی جاوید ناسٹیلجیا کے بارے میں کہتے ہیں:

> "بہت سے دوسرے خیالات اور احساسات کی طرح ناسٹیلجیا کا احساس بھی ہماری سماجی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ وہ ہمیں ماضی کے لمحوں اور مقامات میں سے ایسے اجزاء تلاش کرنے پر آمادہ کرتا ہے جو ہماری موجودہ صورتحال کی ناگواری کا مداوا کر سکیں۔"(۳)

انسانی یادداشت کا رشتہ ماضی سے نہایت گہرا اور مضبوط ہے۔ ماضی اپنی جڑوں اور بنیادوں کے ساتھ ایک خوبصورت استعارہ بن کر سامنے آتا ہے۔ حال اور مستقبل کی اہمیت اس وقت تک محدود رہتی ہے جب تک وہ ماضی کے تجربات سے جڑے نہ ہوں، ورنہ وہ محض ایک عارضی اور غیر پائیدار کیفیت کی مانند ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ماضی، حال اور مستقبل تینوں ایک ہی تسلسل کے اجزاء ہیں جو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیے جاسکتے۔ بقول انتظار حسین:

> "حافظ نہ ہو تو ماضی کا عرفان کیا، اور ماضی کا عرفان نہ ہو تو حال و مستقبل کی حد بندی کیا۔ یہ عمل ظاہر ہے محض ایک غیر محدود، بے نام و نشان سے حال میں زیست کرنے سے جاری ہو سکتا ہے نہ حاصل۔ بدقسمتی کہ لیجیے کہ ترقی پسند تحریک کے ذریعے اردو ادب میں سماجی حقیقت پسندی کی بے جا مداخلت کے سبب اردو کا افسانوی ادب اگست ۱۹۴۷ء تک ایک ایسا ادب رہا ہے جو خود اپنی روایت سے باغی اور گریزاں ہے۔"(۴)

پاکستان کے قیام کے بعد مسلمانوں میں قوم پرستی، حب الوطنی اور معاشرتی اصلاح کے ساتھ ساتھ ناسٹلجیا کا رجحان بھی نمایاں ہوا۔ یہ کیفیت بالخصوص ہجرت کے نتیجے میں پیدا ہوئی جس نے لوگوں کو اپنے ماضی کی یادوں کی طرف متوجہ کیا۔ ادیبوں نے اس بات پر زور دیا کہ وقت صرف دو حصوں پر مشتمل نہیں بلکہ تین زمانوں ــــ ماضی، حال اور مستقبل کا تسلسل ہے۔ انھوں نے ماضی کو اہمیت دیتے ہوئے باور کرایا کہ حال اور مستقبل کی بنیادیں بھی اسی سے جڑی ہیں۔ انسان اگرچہ حال میں زندگی گزارتا ہے لیکن اس کی جڑیں ہمیشہ ماضی میں پیوست رہتی ہیں۔ ماضی پرستی کے حوالے سے مشتاق احمد یوسفی اپنی کتاب "آبِ گم" میں لکھتے ہیں:

> "اس مجموعہ (آب گم) کے بیشتر کردار ماضی پرست، ماضی زدہ اور مردم گزیدہ ہیں۔ ان کا اصل مرض ناسٹیلجیا ہے۔ جب انسان کو ماضی حال سے زیادہ پرکشش نظر آنے لگے اور مستقبل نظر آنا ہی بند ہو جائے تو باور کرنا چاہیے کہ وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ بڑھاپے کا جان لیوا حملہ کسی بھی عمر میں۔۔۔ بالخصوص بھری جوانی میں ہو سکتا ہے۔"(۵)

ناسٹلجیا کی مختلف صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں، جن میں یادِ ماضی، وطن واپسی کی آرزو اور نفسیاتی کیفیت شامل ہیں۔ گزرا ہوا وقت یا بیتا ہوا زمانہ یادِ ماضی کہلاتا ہے، جسے کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وقت انسان کی شخصیت پر اپنی گہری چھاپ چھوڑ جاتا ہے۔ انسانی وجود اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ ماضی کے تجربات کو تخیل کے ذریعے اپنی ذات میں دوبارہ جذب نہ کرے۔ گویا فرد کی شناخت اور تشخص اس کے ماضی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

قوموں کا تہذیبی تشخص ان کی تاریخ میں اور افراد کا تشخص ان کے ماضی میں پنپتا ہوتا ہے۔(۶)

پاکستان کے قیام کے بعد اردو ادب میں ناسٹلجیا کسی نہ کسی صورت میں ضرور دکھائی دیتا ہے۔ چاہے وہ شاعری ہو یا نثر، ہر صنف کے لکھنے والوں کے ہاں اس رجحان کی جھلک موجود ہے۔ اس کیفیت کی بڑی وجہ تقسیمِ ہند اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ہجرت تھی۔ ادیبوں اور شاعروں نے اپنے گرد و نواح میں ان لوگوں کو دیکھا جو وطن سے بچھڑنے کے غم اور یادِ ماضی میں مبتلا تھے، اور اسی احساس کو اپنی تحریروں میں جگہ دی۔ دراصل ہجرت یا نقل مکانی صرف زمینی سفر نہیں بلکہ ایک ذہنی اور جذباتی سفر بھی ہے، جو بالآخر ناسٹلجیا یا یادِ ماضی کی صورت اختیار کر لیتا ہے ناسٹلجیا کے اثرات مثبت بھی ہو سکتے ہیں اور منفی بھی، یہ اس بات پر منحصر ہے کہ فرد اپنے ماضی کو کس نظر سے دیکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص ماضی کو محض بیتے ہوئے وقت کے طور پر قبول کر لے تو وہ حال میں زیادہ مطمئن رہتا ہے اور ماضی کے تجربات سے مستقبل کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت اور فسادات ناسٹلجیا کے بڑے محرکات ثابت ہوئے۔ اکیسویں صدی میں یہ رجحان مزید شدت اختیار کر گیا، خاص طور پر نائن الیون جیسے واقعات اور اس کے بعد پیدا ہونے والی عالمی سیاسی و سماجی تبدیلیوں نے ناسٹلجیا کو مزید تقویت دی۔

قیامِ پاکستان کے بعد اردو افسانے پر ہجرت اور فسادات کے اثرات نمایاں رہے۔ مہاجرین ابھی نئے معاشرتی ڈھانچے میں خود کو ڈھال بھی نہ پائے تھے کہ ۱۹۶۵ اور ۱۹۷۱ کی جنگوں نے قوم کو مزید جھنجھوڑ دیا۔ ان مسلسل ہجرتوں اور جنگی حالات نے انسانی نفسیات پر گہرے اثرات ڈالے اور افراد کو ناسٹلجیا کی کیفیت میں مبتلا کیا۔ جو لوگ پر آسائش زندگی چھوڑ کر نئے وطن میں مقام حاصل نہ کر سکے، وہ ماضی کی خوشگوار یادوں کو دوبارہ جی کر سکون تلاش کرتے رہے۔ ادیبوں نے اس یادِ ماضی اور اجنبیت کے احساس کو اپنی تحریروں میں پیش کیا۔ یہ واقعات نہ صرف مہاجرین بلکہ مقامی لوگوں کو بھی بے اطمینانی اور تنہائی کا شکار بنا گئے۔ اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں کرونا وائرس نے دنیا کو شدید متاثر کیا اور لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں۔ اس وبا نے انسانی نفسیات، سماجی تعلقات اور ثقافتی روابط پر منفی اثرات ڈالے اور خوف و بے یقینی کی فضا کو جنم دیا۔ جدید ایجادات نے جہاں سہولتیں فراہم کیں وہیں ضروریات بھی بڑھا دیں، جس کے باعث بڑی تعداد میں لوگ بیرونِ ملک منتقل ہوئے۔ پردیس میں رہنے والے افراد اجنبیت اور شناخت کے بحران کا شکار ہوئے اور وطن و رشتوں کی یاد میں ناسٹلجیا کی کیفیت محسوس کرنے لگے۔ ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> "گلوبیت کے نام پر جس کا دعویٰ ہے کہ انسانوں کے مابین ہر طرح کی تفریق مٹائی جا سکتی ہے۔ زبان، نسل، قوم، علاقہ، یا کوئی اور حوالہ جو انسانوں کو تقسیم کرتا ہو، قوموں کو تقسیم کرتا ہو، سب بے معنی ہو رہا ہے مگر یہ دعوی دار دنیا کو اسی طرح تقسیم کیے ہوئے ہیں ایک دنیا زرداروں کی ہے جو پروڈیوسرز ہیں اور دوسری دنیا بے زروں کی ہے جو صارف ہیں۔"(۷)

اکیسویں صدی کے انسانوں نے تہذیبی تصادم کے مناظر دیکھے جنہوں نے سیاسی اور سماجی حالات کو شدید تناؤ میں مبتلا کر دیا۔ نائن الیون کے سانحے نے انسانی ذہن پر گہرے اثرات ڈالے اور فکری زاویوں کو بدل کر تاریخ کو نئی سمت دی۔ ان واقعات اور عالمی سیاسی حقائق کو مختلف ادیبوں اور دانشوروں نے اپنی تحریروں میں پیش کیا، بعض نے ٹھوس شواہد کی بنیاد پر اور بعض نے محض پس منظر کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مجاہد کامران لکھتے ہیں:

"عوامی ذہنوں کی طنابیں کھینچنا ہی اسی اشرافیہ کی حکمت عملی کا سب سے ضروری جزو ہے جس کی بنا پر وہ نئے "عالمی نظام" کا قیام عمل میں لانا چاہتے ہیں۔۔۔۔ اس طرح پیدا ہونے والے ورلڈ اور سبک دست انداز فکری و ذہنی رجحان کے ذریعے عوام کو قابو کر دیا ہے۔۔۔۔"(۸)

نائن الیون کے بعد لکھنے والوں نے اس سانحے کے محرکات اور اثرات پر متعدد تحریریں پیش کیں۔ ان کے مطابق دنیا ایک ایسی غیر روایتی جنگ میں داخل ہو گئی ہے جو بظاہر جنگ نہیں لگتی، مگر اس کے مقاصد مسلم ممالک کی بنیادوں کو کمزور کرنا ہیں۔ اس واقعہ کی حدود و قیود کے ضمن میں ڈاکٹر نجیبہ عارف لکھتی ہیں:

"مابعد کی اس دنیا میں جو بلند و بالا عمارتوں کا گرنا، دراصل دو خلاؤں کی تشکیل ہے۔ ایسی تخریب جس کی بنیاد پر نئی تعمیر ہو سکتی ہے؟۔ واقعہ ایک عہد کی فصیل اور دوسرے عہد کا دروازہ ہے۔ یہ بات بش اور اوبامہ کی تقاریر سے لے کر سکول کے بچوں کے مباحثے تک کئی بار کہی اور سنی گئی ہے کہ گیارہ ستمبر کا دن عہد جدید کی تاریخ کا اہم ترین دن ہے۔۔۔۔ اس الٹی ہوئی بساط کو اس نے رشتے کے پیچ و خم کو، ہر ایک نے اپنے فکری، تاریخی اور واقعاتی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔"(۹)

ناصر کاظمی کی شاعری خصوصاً غزل میں ناسٹلجیا ایک نمایاں اور مرکزی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی غزل میں ماضی کی یاد، بچھڑے ہوئے لوگ، کھوئے ہوئے سفر، اُجڑے ہوئے گھر اور بیتے ہوئے لمحوں کی کسک بار بار ابھرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناصر کاظمی کو اردو شاعری میں "یادوں کا شاعر" بھی کہا جاتا ہے۔ ناسٹلجیا ماضی کی خوشگوار یا دردناک یادوں سے وابستہ ایک گہرا اور جذباتی تعلق ہے جس میں انسان بیتے ہوئے زمانے کو حسرت اور اداسی کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ ناصر کاظمی کے ہاں یہ کیفیت ذاتی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ ناصر کاظمی کی غزل میں ہجرت اور اجڑے ہوئے شہر کی یاد کا عنصر بہت نمایاں ہے جس کے اثرات ان کی غزل میں محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد ناصر کاظمی ہجرت کر کے انبالہ سے لاہور آ گئے۔ وہ خود تو لاہور آ گئے مگر ان کا دل انبالہ میں ہی رہ گیا۔ اس ہجرت نے ان کی شخصیت اور شاعری پر گہرا اثر ڈالا۔ ان غزلوں میں بارہا اجڑے ہوئے اور پرانے شہر کی یاد ملتی ہے۔ ان یادوں کو متاع گم گشتہ کی طرح ناصر بار بار یاد کرتے ہیں اور اس کرب کو اپنی غزلوں میں بیان کرتے ہیں۔ چند شعری مثالیں دیکھیے:

رونقیں تھیں جہاں میں کیا کیا کچھ
لوگ تھے رفتگاں میں کیا کیا کچھ
اب کی فصل بہار سے پہلے
رنگ تھے گلستاں میں کیا کیا کچھ
کیا کہوں اب تمہیں خزاں والو!
جل گیا خزاں میں کیا کیا کچھ (۱۰)

وہ ایک انوکھی بستی دھیان میں رہتی ہے
اس بستی کے باسی مجھے بُلاتے ہیں
جب بھی نئے سفر پر جاتا ہوں ناصر
پچھلے سفر کے ساتھی دھیان میں آتے ہیں(۱۱)

ناصر کاظمی کے ناسٹلجیا میں بچپن اور سادہ زمانے کی یاد بھی ملتی ہے۔ ان کا بچپن خوشگوار تھا۔ اور اُس زمانے کو وہ ایک پر سکون اور معصوم دور کے طور پر یاد کرتے ہیں جو حال کی بے چینی کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت محسوس ہوتا ہے۔ وہ اپنے بچپن کے دلفریب مناظر اور واقعات کو اتنی ہنر مندی اور خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والا اپنے بچپن کی حسین یادوں میں کھو جاتا ہے۔ ناصر نے اپنی شاعری اور مختلف انٹرویوز میں اپنے بچپن کی حسین یادوں کا بکثرت تذکرہ کیا ہے۔ ناصر انبالہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جب پاکستان وجود میں آیا تو ایک بستی تھی انبالہ :

انبالہ ایک شہر تھا سنتے ہیں اب بھی ہے
میں ہوں اسی لُٹے ہوئے قریے کی روشنی(۱۱)

تو میں وہاں سے میں ہجرت کر کے آیا تھا۔ وہاں میں نے جنم لیا میرے والد فوج میں تھے۔ ایک چھوٹا سا معاشرہ تھا۔ ہمارا گھر پرندوں ، یادوں، بچوں ، پھولوں، درختوں اور ننھی ننھی پیچ در پیچ گلیوں کا معاشرہ تھا " (۱۲)

ناصر کاظمی کا بچپن بہت یادگار تھا۔ اُسے بچپن میں بہت سی سہولیات میسر تھیں جسے وہ بھلائے نہیں بُھول پاتے۔ ناسٹلجیا کا شکار ناصر کاظمی اپنے بچپن کی حسین یادوں میں ایک واقعے کو اپنی ڈائری میں یوں بیان کرتے ہیں:

"ایک دن میں صبح صبح اپنے کوٹھے پر پر اٹھا کھا رہا تھا کہ کچھ کوے بھی میرے ساتھ آ گئے اور ایک کوا تو میرا تمام کھانا لے گیا۔ میں رونے لگا لیکن میری والدہ ہنس دیں اور مولوی اسمعیل میرٹھی کی نظم گا کر سنائی۔ ہائے وہ دن بھی قیامت تھے۔ خواب کی طرح گزر گئے۔ اس نظم کے کچھ شعر یاد ہیں جو نقل کرتا ہوں۔

کوے ہیں سب دیکھ بھالے
جو چونچ بھی کالی پر بھی کالے
لیکن ہے آواز بری سی
کان میں جا لگتی ہے چھری کی
ہاتھ میں تھا بچے کے ٹکڑا
آنکھ بچا کر جھٹ لے بھاگا
وارے تری پُھرتی کا گا" (۱۳)

ہجرت کے بعد ناصر کاظمی لاہور میں مقیم ہو گئے۔ جو کہ شہری زندگی تھی۔ شہری زندگی اصل میں فطرت سے دوری کا نام ہے۔ جو فطری مناظر دیہی زندگی میں دکھائی دیتے ہیں وہ شہر میں کہاں؟ ناصر کاظمی کو کبوتر بازی کا بہت شوق تھا۔ اور اس شوق کی تکمیل میں وہ کسی حد تک بھی جاسکتے تھے۔۔ اس شوق کی وجہ سے اکثر وہ سکول دیر سے پہنچتے تھے۔ تاخیر کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں:

" میرے ابا کے پاس چاندی کی ایک جیبی گھڑی تھی جسے وہ اپنی واسکٹ کی جیب میں رکھا کرتے تھے میرا یہ معمول تھا کہ دھوپ نکلتے ہی اپنے کوٹھے پر چڑھ کر کبوتر اڑانے لگ جاتا اور ابھی میرے ننھے سفیر آسمان کی مملکت کی طرف سفر کا آغاز ہی کرتے کہ ابا مجھے آواز دیتے کہ بیٹا گھڑی میں ساڑھے آٹھ بجا چاہتے ہیں۔ سکول کا وقت ہو گیا ہے اور مجھے ابا سے زیادہ گھڑی پر غصہ آتا۔ " یہ گھڑی میرے اور میرے کبوتروں کے درمیان دیوار بن گئی تھی ایک روز میں نے اس گھڑی کی چابی کو اس زور سے گھمایا کہ وہ چلتے چلتے ٹھہر گئی۔ اگلی صبح ابا کو دفتر سے دیر ہو گئی اور میں جی بھر کر کبوتروں کی اڑان دیکھتا رہا اور سکول سے مجھے بھی دیر ہو گئی۔" (۱۴)

اس طرح ناصر کاظمی کے ہاں بچپن کے مشاغل اور سنہری یادوں کا ناسٹلجیا پایا جاتا ہے۔ وہ انبالے کا ہرن، طوطے، مور، کبوتر، آم، سرسوں کا ساگ، بیر اور املی یاد ہیں وہیں وہ اپنے بچپن کے دوست اور اُن کے گزرے لمحات کو یاد کرتے ہیں۔ غزل کے چند اشعار دیکھیے:

کتنے بیتے دنوں کی یاد آئی
آج تیری کمی میں کیا کچھ تھا
کتنے مانوس لوگ یاد آئے
صبح کی چاندنی میں کیا کچھ تھا (۱۵)
دور فلک جب دہراتا ہے موسم گل کی راتوں کو
کنج قفس میں سما لیتے ہیں بھولی بسری باتوں کو (۱۶)

ناکام عشق ناسٹلجیا کا ہمیشہ سے اہم عنصر رہا ہے۔ ناصر کاظمی نے بھی ناکام عشق کیا اور دام عشق میں اسیر ہو کر شاعری کی۔ اس عشق کی یاد میں وہ ہمیشہ کھوئے رہے۔ اس کا تذکرہ ناصر کاظمی اپنی ڈائری میں یوں کرتے ہیں:

"عشق شاعری اور فن یوں تو بچپن سے ہی میرے خون میں ہے لیکن اس ذوق کی پرورش میں میرے ایک دو معاشقوں کا بڑا ہاتھ ہے ۱۹۳۷ء میں جب میری عمر ۱۳ سال کی تھی پہلی بار مجھے دل میں ایک خلش محسوس ہوئی۔ اس کی ذمے دار ایک پھول سی لڑکی تھی جس کا نام حمیرا تھا۔ حمیرا اب یاد تو نہیں لیکن بھولی بھی نہیں۔ یہاں سے میری شاعری کا آغاز ہوا.... ایک دن والدہ باہر تھیں اور ہم ایک دوسرے کی شوخ آنکھوں کا شکار ہو گئے۔ وہ مجھ سے لپٹ گئی اس کی خوشبو سے ابھی تک میرا دماغ مہکا ہوا ہے۔" (۱۷)

حمیرا کی یاد میں ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

ر س کے معنی جسے نہیں معلو م

ہم نے اس رس بھری کو چوم لیا

(۱۸)

"برگ نے" میں ان الفاظ میں وہ اپنے عشق کو یاد کرتے ہیں

کیا دن مجھے عشق نے دکھائے
اک بار جو آئے پھر نہ آئے
وہ روح خیال و جان مضمون
دل اس کو کہاں سے ڈھونڈ لائے
آنکھیں تھیں کہ دو چھلکتے ساغر
عارض کہ شراب تھرائے (۱۹)

ناصر کاظمی کے کالج کے ساتھی اور ان کے قریبی دوست جناب جیلانی کامران ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اولین محبت کی جو باتیں اس نے مجھے سنائیں ان میں حمیرا کا نام آیا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ حمیرا انہی ناموں میں سے ایک تھا جن میں سلمٰی نام بھی آتا رہا۔ لیکن جب وہ حمیرا کا ذکر کرتا تو رونے لگتا اور ایک رات تو وہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے کاریڈور میں دھاڑیں مار کر رو دیا تھا اور حمیرا حمیرا کہہ رہا تھا۔ یہ ۱۹۴۴ء کی بات ہے۔" (۲۰)

ناصر کاظمی نے کئی معاشقے کیے اور ہر ایک میں ناکام ہوئے۔ اُن کا محبوب ایک جیتا جاگتا انسان رہا ہے۔ اس طرح اُن کی غزل میں ہجر و وصال سلسلے اور تجربات اور محبوب کی یاد کے ناسٹیلجائی عناصر موجود ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

ہے حاصل عشق تیر احسن پشیماں ہی ہیں،
میری حسرت تیری صورت سے نمایاں ہی کہی (۲۱)
دیکھ کر جو ہمیں چپ چاپ گزر جاتا ہے
کبھی اس شخص کو ہم پیار کیا کرتے تھے (۲۲)
دل میں اور تو کیا رکھا ہے
تیر ادرد چھپا رکھا ہے (۲۳)

ناصر کاظمی کی طبیعت میں شاعری اور مزاج میں عشق رچ بس گیا تھا۔ ان کا مزاج بچپن سے ہی عاشقانہ تھا۔ وہ اپنی اس کیفیت کو اشعار میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

زُلفوں کے دھیان میں لگی آنکھ
پر کیف ہوا میں سو گئے ہم (۲۴)
سے میری نگاہ تغافل کو کون سمجھائے
کہ اپنے دل پہ مجھے اختیار بھی تو نہیں (۲۵)

ناصر اپنے دوستوں کو بھی بہت یاد کرتے۔ اس کے دوستوں کی تعداد کم زیادہ ہوتی رہتی تھی۔ ناصر خود کسی سے تعلق ختم نہ کرتے بلک دوست خود بہ خود ان کی زندگی میں آتے جاتے رہتے تھے۔ اپنے دوستوں کے بارے میں ناصر بڑے فراخ دل تھے اور ان کے دوستوں میں انسانوں کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا جس کا تذکرہ وہ یوں کرتے ہیں:

"گلیاں، اندھیرے، چاند، دکانیں، چوکیدار، کتے، ہوٹل، چائے، کافی، انڈے، مکھن، مرغ، پرند کا گوشت، شکار، شطرنج، شاعری، کبوتر خوبصورت اور ذہین دوست، رسیلی لڑکیاں، خوش پوشی جو میسر نہیں، موسیقی، غزل، غزل، منزل مسلسل صرف میرے انداز کی۔ میری زندگی میں بے شمار لاتعداد دوست ہیں۔ ہر دوست مجھے مختلف طور پر جانتا ہے۔ میرا کوئی دوست ہے بے وفا نہیں بلکہ میں لاپروا اور بے نیاز ہوں۔" (۲۶)

دوستی میں کسک کو ناصر کاظمی نے اپنی غزل میں بارہا بیان کیا ہے۔ کسک ہی وہ جذبہ ہے جو انسان کے ناآسودہ جذبات کو شاعری میں ڈھالتا ہے۔ اور اس سے شاہ کار تخلیق کراتا ہے۔ یادِ دوست کے حوالے سے ناسٹلجیا کے چند اشعار دیکھیے:

اے دوست ہم نے ترک محبت کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی
تیرے قریب رہ کے بھی دل مطمئن نہ تھا
گزری ہے مجھ پہ یہ بھی قیامت کبھی کبھی(۲۷)
گئے دنوں کا سراغ لے کہ کدھر سے آیا کدھر گیا وہ
عجیب مانوس اجنبی تھا، مجھے تو حیران کر گیا وہ(۲۸)
زندگی جن کے تصور سے جلا پاتی تھی
ہائے کیا لوگ تھے جو دام اجل میں آئے (۲۹)
کہاں ہے تو کہ تیرے انتظار میں اے دوست
تمام رات سلگتے ہیں دل کے ویرانے(۳۰)

ناصر کاظمی اردو غزل کے ان ممتاز شعرا میں شمار ہوتے ہیں جن کی شاعری میں ماضی کی یادیں، ہجرت کے کرب، بچپن کی معصومیت، اور کھوئے ہوئے رشتوں کی کسک نمایاں ہے۔ ان کی غزلوں میں دیگر فکری عناصر کے ساتھ ساتھ ناسٹلجیا ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے، جو نہ صرف ان کی ذاتی زندگی کے تجربات کا عکس ہے بلکہ اجتماعی شعور کی نمائندگی بھی کرتا ہے۔ کاظمی کی شاعری میں ماضی کی سادگی اور حال کی پیچیدگیوں کا تقابل ملتا ہے، جس کے ذریعے وہ یادوں کو ایک جمالیاتی اور فکری تجربے میں ڈھالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلیں فرد کی تنہائی اور غم کو اجتماعی یادداشت کا حصہ بنا کر قاری کو ایک ایسے تخیلاتی منظرنامے میں لے جاتی ہیں جہاں ذاتی دکھ، قومی تاریخ اور ثقافتی یادیں ایک دوسرے سے جڑ جاتی ہیں۔ ناصر کاظمی کو غم ہجرت کا ناسٹیلجیا تھا۔ اپنا گھر بار چھوڑ کر دیارِ غیر میں آنا ان کے لیے بڑا سانحہ تھا۔ وہ گلیاں کوچے جہاں ناصر کا بچپن گزرا ان کو وہ بار ہا یاد کرتے تھے۔ انبالہ میں ان کی زندگی عیش و عشرت والی تھی۔ تقسیم ہند نے ان کی زندگی کو بری طرح متاثر کیا۔ اپنے آخری انٹرویو میں ناصر کہتے ہیں:

"اس کے بعد بار پاکستان میں جب ہم آئے تو جس طرح دفتروں میں نہ قلم تھا نہ دوات تھی نہ سٹیشنری۔ بے سر و سامان، ہم بھی بے سر و سامان تھے۔" (۳۱)

عبد المجید ان کی ہجرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بر صغیر کی تقسیم کے بعد ناصر کی زندگی اور شاعری میں ایک نیا دور شروع ہوا۔ ان کے اور ان کے خاندان کے لیے یہ وقت نہایت صبر آزما تھا۔ (۳۲)

اس ہجرت کے ناسٹلجیائی گہری چھاپ ان کی مشاعری میں بھی نظر آتی ہے۔

میں بھٹکتا پھرتا ہوں دیر سے یونہی شہر شہر نگر نگر!
کہاں کھو گیا میرا قافلہ کہاں رہ گئے میرے ہم سفر (۳۳)

جب بھی نئے سفر پر جاتا ہوں ناصر
پچھلے سفر کے ساتھی دھیان میں آتے ہیں (۳۴)

ناصر کاظمی کی غزلوں میں ناسٹلجیا محض ایک جذباتی کیفیت نہیں بلکہ ایک فکری اور جمالیاتی عنصر کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ان کی شاعری میں ماضی کی یادیں، ہجرت کا کرب، بچپن کی معصومیت، کھوئے ہوئے رشتوں کی کسک اور اجنبیت کا احساس اس طرح بیان ہوا ہے کہ فرد کا ذاتی دکھ اجتماعی یادداشت کا حصہ بن جاتا ہے۔ ناصر کاظمی نے ماضی کی سادگی اور حال کی پیچیدگیوں کو ایک جمالیاتی تجربے میں ڈھال کر نہ صرف اپنی ذات کے کرب کو آواز دی بلکہ اردو غزل کو ایک نئے فکری زاویے سے بھی مالا مال کیا۔ ان کی غزلیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ناسٹلجیا فرد کی شناخت اور قوم کی اجتماعی یادداشت کو محفوظ رکھنے کا ایک موثر وسیلہ ہے، جو قاری کو نہ صرف ماضی کی طرف لے جاتا ہے بلکہ حال کی بے چینی میں سکون کا احساس بھی فراہم کرتا ہے۔

حوالہ جات

1. Oxford University Press Pakistan, Oxford English–Urdu Dictionary, Translated by Shanul Haq Haqqee, ISBN: 9780195793406
2. Urdu Point, *Nostalgia Meaning in Urdu*, accessed online

۳۔ قاضی جاوید، وجودیت اور انسان دوستی، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۷۳ء، ص: ۱۱۲–۱۱۳

۴۔ انتظار حسین، ماضی کا عرفان، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص: ۴۵–۴۶

۵۔ مشتاق احمد یوسفی، آبِ گم، کراچی، مکتبۂ دانیال، ۱۹۹۰ء، ص: ۲۷–۲۸

۶۔ ایضاً، ص: ۲۷–۲۸

۷۔ کامران، مجاہد، نیو ورلڈ آرڈر اور عالمی سازشیں، لاہور، جہانگیر بکس، ۲۰۰۵ء، ص: ۸۹–۹۰

۸۔ نجیبہ عارف، ادب اور مابعدِ ۹/۱۱، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۳، ص: ۱۴۵–۱۴۶

۹۔ ایضاً، ص: ۱۴۵–۱۴۶

۱۰۔ ناصر کاظمی، برگ نے، لاہور، القا پبلی کیشنز، ۲۰۱۶، ص: ۱۱

۱۱۔ ناصر کاظمی، دیوانِ ناصر، لاہور، علم و عرفان پبلیشرز، ۲۰۲۳، ص: ۶۲

۱۲۔ ناصر کاظمی، خشک چشمے کے کنارے، لاہور، القا پبلیکیشنز، ۲۰۱۶، ص:۳۰۵–۳۰۶

۱۳۔ ناصر کاظمی، ڈائری، چند پریشاں کاغذ، انٹرویو، لاہور، القا پبلیکیشنز، ۲۰۱۹، ص:۶

۱۴۔ ایضاً ص:۹

۱۵۔ ناصر کاظمی، برگ نے، ص:۴۸

۱۶۔ ایضاً ص:۶۳

۱۷۔ ناصر کاظمی، ڈائری، چند پریشان کاغذ، ص ۴:

۱۸۔ ناصر کاظمی، برگ نے، ص:۱۳۶

۱۹۔ ایضاً:۵

۲۰۔ ناہید قاسمی، ڈاکٹر، ناصر کاظمی شخصیت اور فن، لاہور، فضل حق اینڈ سنز، س ن، ص:۲۹

۲۱۔ ناصر کاظمی، برگ نے، ص:۱۹

۲۲۔ ناصر کاظمی، دیوان ناصر، ص:۱۰۳

۲۳۔ ایضاً ص:۱۰۴

۲۴۔ ناصر کاظمی، برگ نے، ص:۲۲

۲۵۔ ایضاً ص:۵۸

۲۶۔ ناصر کاظمی، ڈائری، چند پریشان کاغذ، ص:۳۴

۲۷۔ ناصر کاظمی، برگ نے، ص:۲

۲۸۔ دیوان ناصر، دیوان ناصر، ص:۱۶۳

۲۹۔ ناصر کاظمی، دیوان ناصر، ص:۴۹

۳۰۔ ناصر کاظمی، برگ نے، ص:۲

۳۱۔ ناصر کاظمی، خشک چشمے کے کنارے، ص:۳۰۶

۳۲۔ عبدالمجید، وہ ایک نہال تھا جو اگا اور جل گیا (مضمون) مشمولہ ہجر کی رات کا ستارہ، مرتبہ، احمد مشتاق، باصر سلطان کاظمی، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص:۱۹

۳۳۔ ناصر کاظمی، دیوان ناصر، ص:۱۰۱

۳۴۔ ایضا، ص :۶۲

References in Roman Script:

1. Oxford University Press Pakistan, Oxford English–Urdu Dictionary, translated by Shanul Haq Haqqee, ISBN: 9780195793406.
2. Urdu Point, Nostalgia Meaning in Urdu, accessed online.
3. Qazi Javed, Wujoodiyat aur Insan Dosti, Lahore, Fiction House, 1973, pp. 112–113.
4. Intizar Husain, Mazi ka Irfan, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 1999, pp. 45–46.
5. Mushtaq Ahmad Yousufi, Aab-e-Gum, Karachi, Maktaba Daniyal, 1990, pp. 27–28.

6. Ibid., pp. 27–28.
7. Mujahid Kamran, New World Order aur Aalmi Sazishein, Lahore, Jahangir Books, 2005, pp. 89–90.
8. Najeeba Arif, Adab aur Ma Baad-e 9/11, Islamabad, National Book Foundation, 2003, pp. 145–146.
9. Ibid., pp. 145–146.
10. Nasir Kazmi, Barg-e-Ne, Lahore, Alqa Publications, 2016, p. 11.
11. Nasir Kazmi, Deewan-e-Nasir, Lahore, Ilm o Irfan Publishers, 2023, p. 62.
12. Nasir Kazmi, Khushk Chashmay ke Kinare, Lahore, Alqa Publications, 2016, pp. 305–306.
13. Nasir Kazmi, Diary: Chand Pareshan Kaghaz (Interview), Lahore, Alqa Publications, 2019, p. 6.
14. Ibid., p. 9.
15. Nasir Kazmi, Barg-e-Ne, p. 48.
16. Ibid., p. 63.
17. Nasir Kazmi, Diary: Chand Pareshan Kaghaz, p. 4.
18. Nasir Kazmi, Barg-e-Ne, p. 136.
19. Ibid., p. 5.
20. Dr. Naheed Qasmi, Nasir Kazmi: Shakhsiyat aur Fun, Lahore, Fazal Haq and Sons, n.d., p. 29.
21. Nasir Kazmi, Barg-e-Ne, p. 19.
22. Nasir Kazmi, Deewan-e-Nasir, p. 103.
23. Ibid., p. 104.
24. Nasir Kazmi, Barg-e-Ne, p. 22.
25. Ibid., p. 58.
26. Nasir Kazmi, Diary: Chand Pareshan Kaghaz, p. 34.
27. Nasir Kazmi, Barg-e-Ne, p. 2.
28. Deewan-e-Nasir, p. 163.
29. Nasir Kazmi, Deewan-e-Nasir, p. 49.
30. Nasir Kazmi, Barg-e-Ne, p. 2.
31. Nasir Kazmi, Khushk Chashmay ke Kinare, p. 306.
32. Abdul Majeed, “Woh Ek Nihal Tha Jo Uga aur Jal Gaya” (mazmoon), mashmoola Hijr ki Raat ka Sitara, murattib Ahmad Mushtaq aur Basir Sultan Kazmi, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2013, p. 19.
33. Nasir Kazmi, Deewan-e-Nasir, p. 101.
34. Ibid., p. 62.